شریعت کا جادۂ قویمہ شاہ ولی اللہ کی نظر میں

غلام مصطفیٰ قاسمی

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں شارع علیہ السلام کی جانب سے امت مرحومہ کے اختلافات دور کرنے کا روحانی القا ہوا تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک فقہی فروعات کا تعلق ہے، آپ، آپ کی اولاد اور آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ سب کے سب ان امور میں امام ابوحنیفہؒ کے پیرو تھے، لیکن اس ضمن میں ان کے طریقے میں وہ جمود نہیں تھا، جو آج کل پایا جاتا ہے، اور یہ کہ شاہ صاحبؒ کے بتلائے ہوئے جادۂ قویمہ پر ان کا عمل تھا۔ میرے اس مدعا کے پہلے جزو کے اثبات کے لئے فیوض الحرمین کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفخ إلی نفحۃ اخری فبین ان مرادالحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامۃ المرحومۃ بک وایاک أن تخالف القوم فی الفروع [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (ایک روحانی سوال کے جواب میں) ایک اور خوشبو آئی اور ظاہر ہوا کہ یہ حق تعالیٰ کی مراد ہے کہ تیرے ذریعہ امت مرحومہ کے تشتت کو دور کرے اور خبردار فروع میں کبھی قوم کا مخالف نہ ہونا۔

شاہ صاحبؒ حنفی مذہب فقہ کی تقلید میں جمود کے امکان کو اپنے تجویز کردہ جادۂ قویمہ کے ذریعہ

---

[1] پہلی قسط دسمبر ۱۹۶۴ء کے شمارے میں ملاحظہ ہو۔

[2] فیوض الحرمین ص۶۲ طبع احمدیہ متعلق مدرسہ عزیزیہ دہلی

اخذ کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مکاشفہ میں فقہ حنفی کے ساتھ سنت کی تطبیق کا ایک نمونہ پیش کر کے فقہی تقلید کے حامیوں کے لئے غور و فکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔

ثم کشف لی انموذجا ظاہر لی منہ تطبیق السنۃ بفقہ الحنفیۃ من الاخذ بقول احد الثلاثۃ وتخصیص عموماتہم والوقوف علی مقاصدہم والاقتصار علی ما یفہم من لفظ السنۃ ولیس فیہ تاویل لبعید ولا ضرب بعض الاحادیث لبعضا ولا رفض لحدیث صحیح بقول احد من الائمۃ وھذہ الطریقۃ ان اتمھا اللہ واکملہا فھی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم۔ [۱]

پھر میرے لئے ایک اور نمونے کا انکشاف کیا جس سے فقہ حنفی سے سنت کی تطبیق کا راستہ کھل گیا (جو یہ ہے) کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ ابویوسف اور محمد) میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا جائے۔ اور ان کے عمومات کی تخصیص اور ان کے مقاصد پر وقوف کے بعد سنت کے ظاہر الفاظ سے جو مفہوم ہوتا ہے، اس پر اقتصار کیا جائے۔ اس میں نہ تو بعید تاویل کی ضرورت پڑتی ہے، اور نہ بعض احادیث کا بعض سے ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ کسی ایک امام کے قول کے لئے صحیح حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے اس طریقے کو اگر اللہ تعالیٰ پورا اور کامل کرے تو کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔

اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ احناف میں سے جس امام کا قول صحیح حدیث کے موافق ہو، اس کو اختیار کیا جائے، اور اسے اپنا فقہی مذہب قرار دیا جائے۔ اس طرح کسی امام کے قول کے لئے صحیح حدیث نہیں چھوڑنی پڑے گی۔

فقہی تقلید کے سلسلے میں شاہ صاحبؒ اپنے زمانے کے عوام کی حالت بیان کرتے ہوئے تفہیمات الہیہ میں فرماتے ہیں۔

---

[۱] فیوض الحرمین ص ۶۲-۶۳

آج کل تمہیں عوام کی یہ حالت دیکھنے میں آئے گی کہ انہوں نے متقدمین کے مذاہب فقہیہ سے کسی ایک امام کے مذہب سے اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر رکھا ہے، کہ اگر کوئی اس (مخصوص) مذہب کو اس کی تقلید کے بعد چھوڑ دے چاہے وہ چھوڑنا ایک مسئلے ہی میں کیوں نہ ہو، اس کو وہ دین واسلام سے نکلنے کے مرادف خیال کرتے ہیں۔ اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس کی تقلید کی جارہی ہے، وہ (ان کے خیال میں) ان کی طرف ایک نبی مرسل ہے، جس کی کہ اطاعت ان پر فرض کی گئی ہے۔

چوتھی صدی ہجری سے قبل امت کے اولیں لوگ (فقہاء میں سے) کسی ایک مذہب کے پابند نہ تھے۔ ابوطالب قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ کتابوں کے مجموعے سب نئی چیزیں ہیں، لوگوں کے اقوال کو (سند) پیش کرنا، ان میں سے کسی شخص واحد کے قول پر فتوے دینا ہر شے میں اسکے قول کو حجت جان کر اس کو نقل کرنا اور اس کے مذہب پر تفقہ حاصل کرنا، یہ پہلے لوگوں کا طریقہ نہ تھا۔ پچھلے دور کے عوام کا یہ دستور تھا کہ وضو، غسل، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، نکاح، بیع اور دوسرے روزمرہ کے پیش آنے والے امور کے احکام کو اپنے آباؤاجداد اور اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھتے تھے، اور جب کوئی نیا واقعہ ان کو پیش آتا تھا تو مفتیوں کی طرف رجوع کرتے تھے، چاہے وہ مدینہ کے مفتی ہوں یا کوفہ کے۔ وہ ان کے فتووں پر عمل کرتے تھے۔ (باقی) ان میں سے خواص لوگ جو کہ حدیث کے اصحاب و حامل تھے اور جاننے والے تھے، وہ ان مسائل میں جو احادیث اور آثار سے واضح طور پر معلوم ہوتے تھے۔ صرف شارع علیہ السلام کی تقلید کرتے تھے، اور جہاں ان کے بارے میں انہیں واضح حدیث نہ ملتی تھی وہ ان میں دوسرے ائمہ کے اقوال اور آراء کی اس وقت تک پیروی کرتے جب تک ان کو حدیث سے ان کے متعلق کوئی واضح دلیل نہ مل جاتی۔ خواص میں سے جو لوگ تخریج مسائل کے اہل ہوتے تھے، وہ فقہاء میں سے کسی فقیہہ کے قول منصوص یا بصورت عدم قول منصوص، اس کے بتائے ہوئے قواعد پر مسائل کی تخریج کرتے تھے،

بعض اہل کشف ایسے بھی گذرے ہیں کہ جب لوگوں نے (فقہاء کے) مذاہب کی تقلید کو اختیار کیا تو وہ کسی ایک مذہب کی پابندی کے خلاف تھے، جیسے کہ شیخ ابن عربی، انہوں نے فتوحات مکیہ اور اپنی دوسری تالیفات میں لکھا ہے کہ بندہ اپنے (فکری) ارتقا کے دوران ان لوگوں کے مقامات

سے گذرتا ہے جو فقہا میں سے کسی ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس ارتقا میں اس منبع اور سرچشمہ کو پا لیتا ہے جہاں سے اس مقلد کے امام نے اپنے اقوال حاصل کئے تھے۔ وہاں وہ دیکھتا ہے کہ جمیع ائمہ کے اقوال اس ایک ہی سمندر سے چلو بھرتے ہیں۔ (ایسی حالت میں) اس سے کسی ایک مخصوص مذہب کی پابندی اور تقلید چھوٹ جاتی ہے اور وہ اپنی سابقہ رائے کے خلاف سب مذاہب کو یکساں اور مساوی خیال کرتا ہے، (اہل مکاشفہ میں سے) بعض اس لئے (کسی خاص فقہی مذہب کی) پابندی کرتے ہیں تاکہ عوام میں اختلافات پیدا نہ ہو یا انہیں خواب میں بعض مذاہب کے متعلق کچھ جہات مرجح نظر آتے ہیں اس لئے وہ اس کی تقلید کو اختیار کر لیتے ہیں۔

بعض نقاد علماء ایسے بھی گذرے ہیں کہ اپنے عمل میں یا دوسروں کے لئے فتاویٰ دینے میں کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے جیسے کہ ابو محمد جوینی۔ انہوں نے "محیط" نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے کسی ایک مذہب کے اقوال کا التزام نہیں کیا۔ اس روایت کو شیخ جلال الدین سیوطی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ایک ایسی جماعت سے نقل کیا ہے جس کا احصاء مشکل ہے۔ لیکن ظاہر اور مشہور یہی ہے کہ اکثر فقہا کسی ایک مذہب کے پابند ہوتے تھے۔

بہر حال علماء کے اس قسم کے (فقہی) اختلاف نے قوم کو خوف زدہ کر دیا۔ اور بعض کو بعض کے اقوال کے انکار پر اکسایا اور پھر اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صریح حکم بھی مروی نہیں جس کی طرف کہ رجوع کیا جائے۔

یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

میرے اوپر اللہ کی بڑی نعمتوں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ شارع علیہ السلام نے ہمیں ایسے دو علم عطا فرمائے ہیں جو احکام کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متمایز اور مراتب میں متغایر ہیں۔ ایک علم مصالح و مفاسد اور دوسرا علم شرائع و حدود۔ اور میں ان دونوں کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ صاحب شرف علم ہے جس کی طرف مجھ سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی اور نہ کسی نے اس کے اصول اور فروع کو بیان کیا، اور نہ اس پر مسائل کو حل کیا۔

میرے اوپر اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ جادۂ قویمہ کے ضبط و ترتیب کے بعد مجھ پر فقہا کے اختلاف کے اسباب کا بھی انکشاف ہوا۔ جادۂ قویمہ کی طرف بعض ایسی تفاصیل

اور تفریعات میں اشارہ کر چکا ہوں جو کہ مقدمات کلیہ میں محصور اور مضبوط ہیں۔ جس نے ان کو سمجھا اور ان پر یقین کیا، وہ مواضع اختلاف کے سمجھنے میں بہت وسعل نہیں کرے گا اور جادۂ قویمہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مستقل طور پر متمثل پائے گا۔ وہ تفاصیل کو ایک ضروری امر خیال کرے گا کہ طریقہ ثبوت دملت، کو اس کے ماخذ اور منبع سے لینے والوں کے فہم کے اختلاف سے (تفاصیل کا) یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔

بعد ازاں شاہ صاحبؒ اسی کتاب میں اختلاف کے چار منازل کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

میرے لئے یہ علم منکشف ہوا کہ اختلاف کے چار منازل ہیں۔

۱۔ اختلاف مردود۔ جس کے قائل اور پیروکار کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ فقہ کے مدونہ مذاہب اربعہ میں یہ اختلاف قلیل الوجود ہے۔

۲۔ اختلاف ...... اس کے قائل کو تب تک معذور سمجھا جائے گا جب تک کہ اس اختلاف کے خلاف اس کو کوئی صحیح حدیث نہ پہنچی ہو۔ صحیح حدیث پہنچنے کے بعد (بھی اگر وہ اس پر اڑا رہا) وہ معذور نہیں رہے۔

۳۔ اختلاف مقبول، جس میں شارع علیہ السلام نے دونوں باتوں کا اختیار دے رکھا ہو، جیسے قرآن مجید کو سات حروف سے پڑھنا۔

۴۔ ایسا اختلاف جس کے بارے میں ہم نے شارع علیہ السلام کے بعض اقوال سے اجتہاد اور استنباط کے طور پر سمجھ رکھا ہے کہ اس کے دونوں اطراف مقبول ہیں۔ اور انسان کو ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کے لئے مکلف بنایا گیا ہے، لیکن یہ بھی اپنے حکم میں مطلق نہیں ہے بلکہ اجتہاد اور ظن تاکیدی اس کی تقلید کے لئے ضروری ہے۔

اس قسم کے کئی علوم پر سے میرے لئے پردہ اٹھایا گیا۔ اور مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ہر ایک (فقہی) مذہب میں ظاہر اور شاذ دونوں ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں ظاہر الروایۃ وہ ہے جس کو اصول خمسہ نے جمع کیا ہو اور امام محمدؒ نے صراحت یہ کہا ہو کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے یا اس پر ان کا اعتماد رہا ہے۔ امام مالکؒ کے مذہب کا ظاہر الروایۃ وہ ہے جس کی ابن قاسم نے صراحت کی ہو یا مدونہ میں (اس کے متعلق) یہ رائے پائی جائے کہ یہ امام مالکؒ کا وہ قول ہے جس پر ان کا اعتماد رہا ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب کا ظاہر الروایۃ وہ ہے جس پر شیخین یعنی رافعی اور نووی دونوں نے اتفاق

ظاہر کیا ہو۔ اور یہ صراحت کی ہو کہ یہ شافعی کا مذہب ہے، اور ان کا مشہور اور معمول بہ قول ہے۔ ان کے سوا اگر کوئی روایت غیر مشہور لوگوں سے یا ایسے لوگوں سے جن کی آن ائمہ کے مذاہب پر عبور نہیں رکھتے تو وہ شاذ روایت کہلائے گی۔

اسی طرح شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر اور شاذ۔ ظاہر شریعت کے لئے چند مراتب ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ۱۔ اقویٰ یعنی سب سے قوی تر تو وہ ہے جو قرآن مجید کی نص میں اس طرح پائی جائے کہ اسکے سمجھنے میں کوئی خفا نہ ہو۔ ۲۔ دوسرے مرتبے پر ظاہر شریعت وہ ہے جو احادیث مستفیضہ صحیحہ سے ماخوذ ہو اور یہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم نیشاپوری اور موطا امام مالک میں اس طرح مروی ہوں کہ ان میں تعارض نہ ہو اور روایات کے الفاظ اختلاف فاحش سے مبرا ہوں، اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان میں چار شرائط پائے جائیں۔ وہ اپنے معنی اور مراد میں واضح ہوں۔ اہل زبان پر ان کا مطلب پوشیدہ نہ ہو۔ اور وہ مشہور روایت ہوں جنہیں صحابہؓ میں سے تین یا تین سے زیادہ نے روایت کیا ہو۔ پھر ہر طبقے میں ان کے راوی بڑھتے گئے یہاں تک کہ حفاظ حدیث اور نقاد فقہا کا طبقہ آگیا۔ اور وہ ان سے راضی ہوئے اور ان کے قائل ہوئے اور وہ احادیث ان تین کتابوں میں مروی ہوں، کیونکہ ان تینوں کتابوں کی اسلام میں وہ شان ہے جو دوسری کتابوں کی نہیں ہے۔ اور علمائے حدیث و فقہ کے ہاں ان کتابوں کی وہ مقبولیت ہے جو دوسری کتب کی نہیں اور ان کتابوں کی وہ صحت ہے کہ اس جیسی صحت دوسری کتابوں میں نہیں دیکھی گئی۔

کتب حدیث کی ان تینوں کتابوں کے ساتھ قوم کا جو اہتمام رہا وہ دوسری کتابوں کے ساتھ نہیں رہا۔ ان کتابوں کی شرح غریب، ضبط مشکل تخریج فقہ اور راویوں کے بیان پر خاص زور دیا گیا یہ ایسی بات ہے جس سے صرف وہ ناآشنا ہو سکتا ہے، جو قوم کے مدارک سے اجنبی ہو مزید یہ کہ احادیث نبویہ میں تعارض نہ ہو، ان کتابوں میں خاص طور پر آپس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔ امام مالکؒ سے (کسی مسئلہ میں) اس طرح منقول ہونا کہ یہ بڑے بڑے صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے، جس پر زمانہ نبوت سے لے کر ان (امام مالک) کے زمانہ تک اہل مدینہ عمل کرتے آئے ہیں۔ (یہ بھی مذکورہ کتب کی روایت کے حکم میں ہے) پھر اس پر شافعیؒ، احمدؒ، بخاریؒ اور ان جیسے حدیث اور فقہ کے

(ائمہ) ہامیین نے کوئی تعقب نہیں کیا بلکہ اس کو پسند کیا اور اس کے قائل ہوئے۔ اور اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح یا حسن حدیث سے بصراحت تائید ہو، اگرچہ یہ آحاد اخبار سے ہی کیوں نہ ہو، یا اخبار کی دلالت یا اشارت سے تائید ہو۔ یا (اس سلسلے میں) صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت کے آثار کو پیش کیا گیا ہو، یا کسی واضح قیاس اور صحیح استنباط سے اس کو قوی بنایا گیا ہو،

سفیان ثوری کی روایت بھی امام مالکؒ سے منقول روایت کے حکم میں ہے۔ لیکن امام مالک سے (کسی روایت کا) منقول اور مروی ہونا بیشتر اوفق ہوتا ہے، دوسروں سے منقول روایات کا یہ پایہ نہیں۔ مشہور کتب حدیث میں اگر کوئی صحیح یا حسن حدیث مروی ہو، اور اسے جس طرح روایت کیا گیا ہے، اس سے حجت قائم ہوئی اور فقہا کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا۔ یا وہ حدیث صحیح اور قوی استنباط ہے۔ اور اس کی صحت کی ایک جماعت نے شہادت دی تو یہ بھی اس امام مالک کی روایت کے حکم میں ہے۔

یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر شریعت اور آپؐ کے سنن کا جادۂ قویمہ ہے جس کا صاحب رشد و ہدایت ہونا اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو بھی اس کا خلاف ہوگا اس کا قول مردود سمجھا جائیگا پس اگر وہ اس حالت میں نص قرآنی یا مشہور حدیث کی مخالفت کر رہا ہے، یا اجماع اور جلی قیاس کے خلاف جا رہا ہے، تو وہ معذور نہ ہوگا اور اگر کسی دوسری دلیل کی مخالفت کر رہا ہے تو وہ اس وقت تک معذور سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کو کوئی صحیح حدیث نہ پہنچے اور حجاب نہ اٹھ جائے، خفا اور حجاب کے اٹھ جانے کے بعد اس قول کے مقلد اور پیروکار کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس مقلد کو یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ میں حدیث پر عمل نہیں کروں گا اور اپنے امام کے قول پر عمل کرونگا۔ چاہے اس کے خلاف کوئی صحیح ہی دلیل ہی کیوں نہ ہو۔

اب تجھ پر لازم ہے کہ جب شریعت کے احکام اس طرح تیرے پاس ثابت ہو کر آجائیں تو تم ان میں اچھی طرح غور کرو۔ تاکہ تم ان کو ان کے غیر سے جدا کر سکو اور وہ تیری آنکھوں کے سامنے متمثل اور تیرے دل میں منقش ہوں، پھر تجھے ان کو مضبوطی سے پکڑنا اور اپنے ہاتھوں سے مضبوط تھامنا چاہیئے۔ اس میں اگر کوئی مخالف بھی ہو تو اس سے ہوشیار رہیں اور اس کی بات کی طرف کان نہ لگائیں۔

اس جادۂ قویمہ کے اثبات کے بعد بعض اسباب کی بنا پر اگر کبھی اختلاف ہو، تو ایسی حالت میں وہ قول جو کہ ماخذ کے قریب ہو اور اس میں ظاہراً کوئی کوتاہی نہ پائی جائے اس کا ہرگز انکار نہ کیا جائے، بلکہ ایسا قول قبول کرنا چاہیئے۔ اس طرح جادۂ قویمہ کو ایک مذہب بنا ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال سے چشم پوشی کریں اور شریعت محمدیہ کے جادۂ قویمہ سے ایک رتی بھی باہر نہ جائیں۔ اس جادۂ قویمہ سے نکلنے کی مثال ہے دھوئیں پاؤں پر مسح کرنا، نکاح متعہ کو جائز تصور کرنا، مسکر شراب کے قلیل مقدار کو حلال سمجھنا، گدھوں کو حلال جاننا اور یہ کہنا کہ وقت ظہر سایہ اصلی کے نکالنے کے بعد دو مثل ہے۔

جادۂ قویمہ کو تسلیم کرنے کے بعد اختلاف کرنے کی مثال علما کا روزوں میں زوال کے بعد مسواک کرنے کا اختلاف ہے، یا یہ کہ نماز کو سبحانک اللہم سے شروع کیا جائے۔ یا وجهت وجهی یا ان دونوں میں سے کسی سے بھی نہیں۔ اور تشہد میں ابن مسعودؓ کی تشہد پڑھنی چاہیئے یا ابن عباسؓ کی یا ابن عمرؓ کی۔

پھر اگر تمہاری ہمت بلند ہے اور تم تقویٰ کا قوی ارادہ رکھتے ہو، تو ان تفاصیل کو واضح کتاب، ظاہر سنت اور اہل علم کے عمل اور قیاس قوی پر پیش کرو۔ مختلف احادیث میں تطبیق کرو، محدثین کی کتابوں میں جو اخبار صحیحہ، حسنہ یا ضعیفہ مروی ہیں، ان کا انہیں تتبع کرنا چاہیئے۔ اور ان میں سے اقویٰ اور احوط کو اختیار کرنا چاہیئے۔ ورنہ تمہارا درجہ ایک عام مسلمان سے اوپر نہیں ہوگا۔

اگر یہاں یہ سوال اٹھایا جائے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ بالتحقیق شریعت مصطفویہ کا جادۂ قویمہ ہے لیکن اس کی اس کے غیر سے کیونکر تمیز ہو سکتی ہے؟ اس کے لئے تو بہت ساری احادیث کو جمع کرنے کی ضرورت ہوگی اور یہ اس دور میں بڑا مشکل ہے۔ اس کے جواب میں، میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ اس میں زیادہ دردسری کی ضرورت نہیں ہے، (کتب حدیث میں سے) صرف موطا صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کی طرف لوٹنا چاہیئے۔ یہ کتابیں مشہور و معروف ہیں اور قلیل مدت میں ان پر دسترس ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کتابوں میں جادۂ قویمہ کی معرفت نور باطن کی محتاج ہے اور یہ نور اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے، پس اگر تیرے قلب میں یہ نور باطن نہ ہو اور تیرے بھائیوں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت کی ہو اور

اس نے تجھے ایسی زبان میں سمجھا دیا جس کو تم سمجھتے ہو تو اس کے بعد جادۂ قویمہ کے خلاف جانے میں، تجھے معاف نہ کیا جائے گا۔[1]

اس طویل بحث سے یہ واضح ہوا کہ علمائے امت میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو یہ فضیلت اور عظیم نعمت میسر ہوئی کہ انہوں نے شریعت کے جادۂ قویمہ کو مخصوص نہج پر سمجھا، اپنی تالیفات میں اس کی شرح فرمائی اور اس کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت فرمائی۔ نیز اس پر زور دیا کہ کتب حدیث کی سب کتابوں میں امام مالک کی موطا سب پر فائق ہے۔ اور مقدم ہے اور باقی کتب صحاح اس کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسرے درجہ پر صحت میں اس کے تابع ہیں۔

میرے استاد مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ موطا کی اس فوقیت کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ موصوف فرماتے تھے کہ میرے نزدیک جو اصولی مسئلہ (موطا، امام مالکؒ کی فوقیت) کی اہمیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا وہ اس قابل نہیں کہ اسے امام ولی اللہ کے اتباع میں شمار کیا جائے۔"

---

[1] تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص۱۵۳ - ۱۵۶

"اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے مجھ پر یہ نعمت بھی ہے کہ اس نے مجھے اس تیسری جماعت میں شامل کیا اور مجھ پر شریعت کی اصل اور اس کی تشریح جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، دونوں ظاہر ہو گئی ہیں — مجھ بندۂ ناچیز پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان بھی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کی زبان سے شریعت کا جو تبیان ہوا ہے اس کی وضاحت کرنے کی بھی خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے۔۔۔۔

ایسے ہی خدا کا مجھ پر یہ بھی احسان ہے کہ مجتہدین متقدمین نے شریعت کے جو اصول و فروع کی تدوین کی ہے، اس کی توضیح کی بھی مجھے توفیق عطا فرمائی ہے۔۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پران مجتہدین متقدمین کے مذاہب کی شرح بھی منکشف کر دی۔ اور ہر مذہب کے متاخرین نے ان متقدمین کے قواعد کے پیش نظر جن جزئیات کی تخریج و تفریع کی ہے، وہ بھی منکشف کر دیں۔۔۔۔"

(رسالہ محمد ۔ ۱ ۔ ترجمہ شیخ لشکر احمد)